جمال الدّین افغانی

افکار و اثرات

ڈاکٹر محمد اعظم قاسمی

ایک نیم مہذب، پس ماندہ، ناقابل تسخیر اور سرکش مسلم سرزمین ـــــ یعنی افغانستان ـــــ سے ابھرنے والی وہ شخصیت جسے ہم جمال الدین افغانی کے نام سے جانتے ہیں تمام عالم اسلام کے لیے ایک زبردست مصلح بن کر ظاہر ہوئی۔ خاص طور پر سیاسی افکار و احوال کی اصلاح میں اس کے اثرات نہایت دور رس اور گہرے ثابت ہوئے۔ درحقیقت افغانی نے اپنی تنقید اور احتسابی فکر سے مسلم معاشرہ میں جدوجہد اور عمل کی روح پیدا کرنے کی کوشش کی۔ افغانی کے فکر اور عمل پر دور جدید کے اثرات ضرور تھے لیکن اس کی اساس خالص اسلامی افکار پر تھی اور اس کا زور اتحاد باہمی، علم پروری نیز ترقی اور تعقل پر تھا۔

جمال الدین افغانی کی غیر معمولی صلاحیت، روشن دماغی، زبردست علم، حیرت انگیز اور مسحور کن خطابت اور ان سب کے ساتھ نہایت جرات مندانہ اور سلگتا ہوا اسلامی آئیڈیل[۱] ـــــ ان کی زندگی کے وہ پہلو ہیں جنھوں نے ان کو ذاتی زندگی کی راحتوں اور تفکرات سے قطعی آزاد کر دیا تھا بلکہ یہی ان کی وہ صفات تھیں جن میں ان کی ذاتی زندگی چھپ کر رہ گئی تھی اور ان کی حیات میں بھی اور بعد میں طرح طرح کے افسانوں اور داستانوں کے غبار میں ان کی سادہ ترین سوانحات بھی مبہم اور پراسرار بنتی چلی گئیں۔ افغانی کے معاصر تذکرہ نگاروں نے بہت سے متضاد بیانات بعد کے سوانح نگاروں کو ایک دلچسپ وراثت کے طور پر ہاتھ آئے اور ان کی افسانویت پسندی نے افغانی کے تذکروں میں مزید شکوک و شبہات اور تحریفات کو ہوا دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی کی یہ زبردست شخصیت اور عظیم ترین قائد اور مصلح' اپنوں اور پرایوں کے درمیان اس طرح تحسین اور تنقید کا ہدف بنا کہ اس کے مقاصد اور اصلاحات ثانوی بن کر رہ گئے تاہم اس سب

کے باوجود جمال الدین افغانی کی ۳۰ سالہ مصلحانہ جدوجہد، مقاصد اسلامی کا احیار، اتحاد اسلامی کی اشاعت قرآنی اصولوں سے کمل وفاداری نیز مغربی استعمار کی مسلم دنیا میں آزادانہ پیش رفت کے خلاف دفاعی قلعہ بندی —— ایسی باتیں نہیں ہیں جو افغانی کی شخصیت سے متعلق کیے جانے والے اختلافی دعووں اور جوابی دعووں یا شبہات پروری کے ذریعہ سے کالعدم کی جاسکے۔ افغانی کی اسلامی اصلاحات کا جامع تصور اور اسلامی معاشرے پر پڑنے والے اس کے اثرات بلا شبہہ اس سے کہیں زیادہ اہم اور سنجیدہ مطالعات کے مستحق ہیں کہ افغانی کے ذاتی احوال کے سلسلہ میں غیر ضروری تفصیلات اور شبہات کو ثابت کرنے کی کوشش کی جائے مگر امر واقعہ یہی ہے کہ اس غیر معمولی شخصیت کے اصلاحی افکار کو اس کے تذکرہ نگاروں نے اسکی ذاتی زندگی کے بعض اختلافی اور مبہم پہلوؤں[۱۲] کے ماتحت ثانوی توجہ کا مستحق سمجھا۔

ان مختصر صفحات میں اس کا موقع نہیں ہے کہ ہم افغانی کی حوادث سے بھری ہوئی زندگی یا عملی جدوجہد کو تفصیلی صورت میں پیش کرسکیں، ان کے انقلابی افکار اور ان کے اثرات کو جامع طور پر پیش کرنے کا بھی موقع نہیں ہے اس وقت تو صرف اتنی بات سامنے ہے کہ جمال الدین افغانی کی زندگی کے اہم تر واقعات اور وسیع المعنی افکار کا ان کے اسلامی اثرات ومقاصد کی روشنی میں ایک تعارف پیش کر دیا جائے۔ یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ جمال الدین افغانی کی شخصیت کے مسحور کن پہلو —— یعنی علوم اسلامی پر ان کی وسیع اور غیر معمولی دسترس، مغربی اقوام کی تاریخ پر ان کی نظر، ان کی مقناطیسی خطابت اور ہر ذہن کو متاثر کر دینے کی غیر معمولی صلاحیت۔ نیز ایک انتہائی وسیع دائرے میں ان کی فعالیت —— وہ اسباب ہیں جنہوں نے ان کے اصلاحی فکر کی تفصیلات کو بڑی حد تک اپنی رنگا رنگی میں ناقابل شناخت بنا رکھا ہے، ان کا اصلاحی فکر جو ان کی ساری علمی اور عملی جدوجہد کا ماحصل ہے تفصیلی مطالعات کا ابھی تک محتاج ہے[۱۳]

یہ حقیقت اس بات سے ظاہر ہے کہ افغانی کے وطن اصلی کا تنازعہ آج تک موجود ہے کہ آیا وہ اسعد آباد جہاں ۱۸۳۸ء میں ان کی پیدائش ہوئی افغانستان میں واقع ہے یا ایران میں؟ اس لیے کہ دونوں جگہ اس نام کے قصبے موجود ہیں اور دونوں کے حق میں اور ان کے خلاف دعووں اور جوابی دعووں کا سلسلہ بھی آج تک موجود ہے۔ اسی طرح افغانی کے سلسلہ میں ایرانی تذکرہ نگاروں اور دیگر حضرات کی تحریروں میں شیعیت کا دعویٰ بھی اور اس کی

تردید بھی نظر آتی ہے اس طرح بعض نے افغانی کو ایران کا ایجنٹ قرار دیا اور بعض نے ترکی کا، کچھ لوگوں نے انھیں برطانیہ کے خلاف یوروپ کا ایک ایجنٹ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی انتہا یہ کہ بعض لوگوں نے ان کو صیہونی کارپردازوں میں شمار کیا ہے۔[۴]

جمال الدین افغانی (۱۸۹۸ — ۱۸۳۸) نے اسلامی علوم کی تحصیل روایتی خطوط پر کرنے کے بعد نوعمری ہی میں امراء افغانستان کی آپس کی اور جانشینی سے تعلق رکھنے والی سیاست میں حصہ لیا اور جلد ہی وہ سابق امیر افغانستان دوست محمد خاں کے بیٹوں کے نزاعات میں الجھ گئے لیکن اس سیاست میں افغانی کی کوششوں کا ماحصل جنگجو بھائیوں کے نزاعات میں رواداری اور مفاہمت پیدا کرنا تھا۔ ان بھائیوں کے حوصلوں اور جھگڑوں کو برطانیہ کے ایجنٹوں نے ہوا دے کر انھیں ایک دوسرے کے خلاف اور زیادہ صف آرا کر دیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ زار روس کی جارحانہ پیش قدمیوں کو روکنے کے لیے برطانوی ہندوستان اور روس کے درمیان افغانستان کو ایک Buffer State کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ امیر محمد اعظم خاں کے مختصر دور امارت میں جمال الدین افغانی نے ریاست کے وزیر اعظم کی حیثیت سے جن اہم اصلاحی اقدامات کے لیے کوشش کی اس میں نہ صرف افغانی فوج کی تنظیم نو تھی بلکہ جدید مواصلات، افغان عوام کی عمومی تعلیم کے لیے مدارس، سرکاری 'Gazettiers' دوسرے ملکوں میں افغانستان کی سفارتیں بھی شامل تھیں —— یہ تمام چیزیں اس وقت تک افغانستان جیسے غیر ساحلی کوہستانی اور نیم مہذب ملک میں قطعی غیر معروف تھیں۔[۵]

لیکن جانشینی کی طویل خانہ جنگی نے اس نوجوان مصلح کو اپنے تمام عزائم کو ادھورا چھوڑ دینے اور امیر شیر محمد خاں کی حکومت کے دوران شکست خوردگی کے گہرے احساس کے ساتھ اپنے ملک کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنے پر مجبور کر دیا۔

ہندوستان میں مختصر سے قیام کے بعد جو حیدرآباد میں تھا۔ ۱۸۷۱ء میں افغانی مصر میں داخل ہوئے جہاں درحقیقت انھیں بعد کے سالوں میں ایک نہایت اہم قائدانہ اصلاحی اور انقلابی کردار ادا کرنا تھا جس کے نتیجہ میں مصر کی مذہبی زندگی میں حرکت پیدا ہوئی۔ اوہام اور بدعات کا طلسم ٹوٹا۔ روایتی اور بڑی حد تک غیر مفید نظام تعلیم کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہوا۔ حکمرانی کے غیر منصفانہ اور جابرانہ طریقۂ حکومت میں تبدیلی کا راستہ ہموار ہوا۔ غیر ملکی استبداد، عمل دخل کے خلاف جدوجہد کا جذبہ بیدار ہوا۔ ریاض پاشا نے جو خدیو مصر کے وزیر اعظم تھے افغانی کی علمیت اور

وسیع النظری، سے غیر معمولی طور پر متاثر ہو کر افغانی کے مصر میں مستقل قیام کے لیے ماہانہ وظیفہ کا انتظام کر دیا جو ان کی محدود ضروریات کے لیے کافی سے زائد تھا۔ مصر جو پہلے ہی جامعہ ازہر کی وجہ سے اسلامی دنیا میں ممتاز سمجھا جاتا تھا گذشتہ دہائیوں میں محمد علی پاشا کی طویل اور فتح مند حکمرانی کے ماتحت عرب ملکوں میں نسبتاً کچھ زیادہ ترقی اور آزادی کے راستے پر گامزن ہو چکا تھا لیکن گذشتہ صدی کے موڑ پر نپولین کی مصر میں محدود فاتحانہ مہم نیز جغرافیائی لحاظ سے استعماری طاقتوں کی نظر میں مصر کی اہمیت بہت بڑھ چکی تھی چنانچہ برطانیہ اور فرانس کے درمیان مصر حرص و ہوس کی ایک ہڈی بن چکا تھا۔ مصر کے مرد آہن محمد علی پاشا کی وفات کے بعد اس کے ناقابل جانشینوں کے دور میں مصر پورے طور پر برطانوی اور فرانسیسی مداخلتوں کی زد میں آگیا۔[۷]

خدیو اسماعیل کی اسراف پسندی نے آخر کار اس کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ مغربی طاقتوں سے ان کی من مانی شرائط پر قرضے حاصل کرے جبکہ یہ مغربی طاقتیں ایسے مواقع کی پہلے ہی سے تاک میں تھیں۔ مصر میں جمال الدین افغانی کے قیام کے ابتدائی سالوں میں مصر کے قرضے ۹۸ ملین پاؤنڈ تک پہنچ چکے تھے۔[۸] اس کے نتیجہ میں برطانیہ اور فرانس کو ایک بہترین بہانہ مل گیا کہ وہ اپنے قرضوں کی بازیابی کے لیے مصر کی Concil of Ministers میں اپنے وزیروں کو مقرر کرا سکیں بلکہ محصولات کی وصولیابی کے مرکز کر میں برطانوی اور فرانسیسی افسروں کا تقرر کرا سکیں اس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ یہ مغربی طاقتیں اپنے قرضے مع سود کے وصول کر سکیں بلکہ مصری حکومت میں اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے کا بھی یہ ایک سنہرا موقع تھا ان امور نے ایک طرف مصر کی معیشت کو بری طرح متاثر کیا اور دوسری طرف مصری فلاحین (کاشتکار) کو بھی حکومت سے بیزار اور برافروختہ کر دیا۔ خود مصری حکمراں خدیو اور اس کی انتظامیہ بھی اپنے اقتدار و اختیار کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر برطانوی اور فرانسیسی طاقتوں کی اس بڑھتی ہوئی مداخلت سے کچھ کم بیزار اور پریشان نہیں تھے۔[۹] یہی وجہ تھی کہ خدیو نے جمال الدین افغانی اور اس کے تلامذہ کی طرف سے غیر ملکی مداخلتوں اور ان کے مقابلے میں مصری حکمرانوں کی بے بسی پر کی جانے والی شدید تنقیدوں کو ایک مدت تک برداشت کیا۔

جمال الدین افغانی کی سخت تنقیدات سے علماء ازہر بھی محفوظ نہیں تھے اور وہ نہایت تلخی کے ساتھ اپنی گفت و گو میں یہ کہتے تھے کہ یہ حضرات اسلامی علوم کے مباحث میں عہد متوسط کے مسائل

کو موضوعِ بحث بنائے ہوئے ہیں لیکن اپنے ملک کے قومی، سیاسی اور معاشرتی مسائل سے بالکل بے خبر ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ مصر کے مسلمانوں کی یہ صورتِ حال دیگر مسلم دنیا کے مقابلے میں نسبتاً بہتر اور بلند ترتھی اس لیے کہ مصر پر نپولین کے حملہ سے بلاشبہ ایک نئے دور اور ترقی کا دروازہ اہلِ مصر کے لیے کھل گیا تھا۔ جمال الدین افغانی اپنے اصلاحی مقاصد کے لیے تمام صلاحیتوں کے حامل تھے۔ ان کا تاریخی شعور نہایت آفاقی اور تنقیدی تھا۔ اسی طرح مسلم دنیا اور معاشرہ کی بے بصیرتی اور جمود کا بھی انھیں وسیع تجربہ تھا۔ نیز مغرب کی عیسائی دنیا کی سیاسی اور تجارتی مکاریوں کا بھی انھیں خوب اندازہ تھا۔ ان کی پرتاثیر قوتِ گفتار اور علوم اسلامی میں ان کا تبحر نیز غیر معمولی قوتِ عمل نے انھیں اصلاحی جدوجہد کے وسیع میدان میں اکثر اسلامی ملکوں کی ایک اہم شخصیت بنا دیا تھا لیکن ان تمام وہبی خصوصیات کی موجودگی میں بھی ان کا آتشیں اور اشتعال پزیر مزاج جوان کی افغانی اصلیت کو ظاہر کرنے والا واحد ورثہ تھا ــــ ایک مدبر اور مصلح کے مقام سے ایک حد تک فروتر تھا ورنہ بقیہ تمام امور کے لحاظ سے وہ انیسویں صدی کے بہترین مفکر اور مصلح کہلانے کے مستحق ہیں[۱۰]

واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک پیدائشی معلم تھے ــــ آزاد اور بیباک۔ قاہرہ پہنچنے کے بعد جلد ہی انھوں نے مختلف علوم پر لکچر دینے شروع کر دئے تھے جس میں فلسفہ، منطق، فلکیات اور تصوف جیسے سب علوم ایک اسلامی فکر کے دائرے میں سمٹے ہوئے تھے اور ان کے کلام میں ان تمام علوم کا رخ ایک جدید طرزِ فکر اور طریقۂ عمل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتا تھا[۱۱]۔ ان کے ہمہ گیر علم نیز کلام کی جامعیت اور روانی نے بہت جلد ایک ایسی شہرت کی بلندی پر ان کو پہنچا دیا جس کے وہ ہر طرح مستحق تھے اور ان کے گرد ایک ایسا حلقہ جمع ہو گیا جو ان سے گہرے طور پر وابستہ تھا اور ان کے اصلاحی افکار سے گہرے طور پر متاثر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اسی حلقہ نے آخر کار مصری معاشرہ کی اصلاح و ترقی میں مختلف پہلوؤں سے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

جمال الدین افغانی کے اثرات کا خاص طور پر تین سطحوں سے جائزہ لیا جا سکتا ہے اوّلاً ان کے وہ خطبات جو وہ مستقل طور پر محلہ خان خلیلی میں واقع اپنے گھر پر نیز جامع ازہر کے طلبہ و اساتذہ کے ایک محدود حلقہ میں دیتے تھے ان خطبات کی وجہ سے اگر جامع ازہر

کے حلقوں میں ان کے لیے مہمان نوازی میں جلد ہی کمی آنے لگی تھی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، ثانیاً ان کے دوستانہ روابط کا وہ وسیع حلقہ تھا جس میں مصر کے دانشور، قاہرہ کے امراء اور متعدد سرکاری افسران تھے کبھی کبھار وہ انہی روابط کے تحت عوامی اجتماعات میں پہنچتے اور خطبات دیتے تھے اسی دائرے سے ان کے قریب کے ایک کافی ہاؤس میں شبانہ آمد و رفت کا وہ سلسلہ بھی تھا جہاں وہ اپنے مسحور سامعین کے درمیان اکثر رات گئے تک بیٹھے رہتے اور اپنی رواں اور بلیغ عربی میں اپنے سامعین کے ان گوناگوں سوالات کے جوابات دیتے رہتے تھے جن کا دائرہ اسلامی علوم سے لے کر مغرب و مشرق کی سیاسی تنقید تک پھیلا ہوا تھا ان لوگوں میں جو مستقل طور پر ان کی اس غیر رسمی گفت و گو میں شریک ہوتے تھے زیادہ ممتاز نام شیخ محمد عبدہٗ، سعد زاغلول، ادیب اسحاق، عبدالکریم سلمان، ابراہیم حلباوی، سلیم نقاش اور علی خطیر کے ہیں لیکن افغانی کا تیسرا اور وسیع ترین دائرہ اثر وہ صحافی حلقہ تھا جو انہی کی کاوش سے پیدا ہوا تھا، جس نے بڑی حد تک عربی ادب نیز دانشورانہ طرز فکر اور سیاسی رجحان کا رخ بدل دیا تھا۔ افغانی نے ایک ایسی صحافت کا خاکہ تیار کیا اور اس پر نہایت زور دیا جو غیر حقیقی نفاظی اور بوسیدہ سیاسی فکر سے بہت دور تھا جس میں جدید حالات کا حقیقی شعور نیز قومی اور بین الاقوامی مسائل کی بصیرت تھی اور جن کا مرکزی نقطۂ فکر مسلم دنیا کا مستقبل تھا۔[۱۲]

افغانی نے اس حلقہ کی ہر طرح ہمت افزائی کی کہ وہ صحافیانہ جرائد نکالیں اور سرکاری گزٹس میں بھی ایسے موضوعات پر لکھتے رہیں جو مسلم دنیا اور مصر کو درپیش سیاسی، معاشرتی اور دانشورانہ بحران سے تعلق رکھتے تھے۔

جمال الدین افغانی کے مشہور شاگردوں میں ادیب اسحٰق نے جو اپنے آتشیں انداز نگارش کے لیے مشہور تھے یکے بعد دیگرے دو صحافیانہ جریدے شائع کیے "مصر" اور "التجارۃ" ان جرائد میں افغانی کے صحافی حلقہ کے مضامین پابندی سے شائع ہوتے تھے۔ ان جرائد میں خود جمال الدین افغانی کے مضامین بھی اکثر شائع ہوتے تھے مثلاً "برطانوی اور افغان قوموں کے بارے میں اصل سچائی" اور "مشرقی حکومتیں اور ان کی اقسام" جنھوں نے مشرقی اور مغربی، سیاسی مراکز میں ہلچل پیدا کر دی تھی نیز جو دوسرے اسباب کے ساتھ مل کر حکومت کی طرف سے ان جرائد کے لیے حکم امتناعی کا ذریعہ بنے۔[۱۳]

جتنا افغانی کا اثر و رسوخ وسیع ہوتا گیا اتنا ہی ان کی اصلاحی جدوجہد میں بھی اضافہ ہوا

اپنے قیام کے ابتدائی سالوں میں اکثر وہ اس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ جب تک مصریوں میں اخلاقی جرأت اور بنیادی شعور کی کمی ہے اس وقت تک ایک جمہوری اور نمائندہ حکومت کا مطالبہ کوئی معنی نہیں رکھتا لیکن مصر میں اپنے قیام کے آخری سالوں میں انھوں نے اس بات پر زور دینا شروع کر دیا تھا کہ ایک نمائندہ حکومت کا جمہوری نظام قومی فلاح کے لیے انتہائی ضروری ہے[۱۴] شاید ایک حد تک اس کی وجہ خدیو مصر کی بڑھتی ہوئی خودمختاری اور آمریت نیز مغربی اقوام کی مصر کے اندرونی امور میں مداخلت بھی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ قومی شعور کی وہ ابتدائی ترقی بھی تھی جو بڑی حد تک افغانی کی سیاسی جد و جہد اور اصلاحات کے ثمرہ کے طور پر ظاہر ہونے لگی تھی۔

مصر کے تعلیم یافتہ اور بالغ نظر مقامی اور غیر مقامی حلقوں میں قومی اور سیاسی شعور کی بیداری کے اس پروگرام ہی کے ضمن میں افغانی نے Scottish Lodge کی Free Masons میں بھی دخل حاصل کر لیا تھا لیکن افغانی نے کچھ ہی دن بعد مایوسی اور کراہت کے ساتھ یہاں سے استعفیٰ دے دیا اس لیے کہ یہاں سیاسی تنقید کا کوئی گذر نہیں تھا اس کے بعد انھوں نے ایک متوازی تنظیم قائم کی جس کی رکنیت بہت جلد ۳۰۰ تک جا پہونچی اس کے ارکان میں خاص تعداد ان دانشوروں کی بھی تھی جو حکمرانوں سے اپنے اختلافات کی بنا پر اس میں شامل ہو گئے تھے اس تنظیم کے مختلف انتظامی اور علمی گوشے تھے جو حکومت کے مختلف شعبوں اور اس کی آمرانہ طریقۂ عمل پر نظر رکھتے تھے اس کے علاوہ قومی حقوق و فرائض کے لحاظ سے عوامی شعور کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے تھے چاہے وہ مصری حکومت کی طرف سے ہوں یا بیرونی طاقتوں کے دخل کی وجہ سے نیز اس کے مقاصد میں جمہوری اور نمائندہ حکومت کے مطالبہ کے لیے عوامی دباؤ کو استعمال کرنا بھی شامل تھا[۱۵] ان احوال میں خدیو توفیق کی طرف سے جو تخت شاہی پر بیٹھنے سے پہلے افغانی کے سیاسی اصلاحی فکر سے بہت متاثر تھا، اگر افغانی کو طلب کر لیا گیا تو کوئی قابل تعجب بات نہیں تھی۔ افغانی کے وسیع سیاسی خطبات اور اثرات نیز برطانوی حکومت کے دباؤ سے گھبرا کر خدیو توفیق نے اولاً افغانی پر زور دیا کہ وہ سیاست سے دست کش ہو جائے لیکن جمال الدین افغانی نے پوری شائستگی اور استحکام کے ساتھ اس درخواست یا دباؤ کو ٹھکرا دیا اس کے بعد بظاہر خدیو نے اپنے وزراء کے مشورے کی روشنی میں افغانی کو ۱۸۷۹ء میں ہندوستان بھجوانے کا انتظام کر دیا۔[۱۶] خدیو کا یہ فیصلہ مصر کے سلسلہ

یں برطانوی پالیسی کے عین مطابق تھا جس کو اس بات کا اندازہ اچھی طرح ہو چکا تھا کہ عوامی جذبات کو بھڑکانے اور ابھارنے میں جمال الدین افغانی کی صلاحیتیں غیر محدود ہیں اور مصر میں افغانی کی موجودگی برطانیہ کے ان استعماری مقاصد میں زبردست رکاوٹ بن چکی ہے جو بصورت دیگر سہل الحصول ہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں جیسا کہ بعد کے حالات سے ظاہر ہوا جمال الدین افغانی کی غیر معمولی صلاحیت اور اثرات کو سمجھنے میں بہت فروگذاشت سے کام لیا گیا۔ اس لیے کہ نہ صرف ۱۸۸۲ء میں ہونے والی اعرابی پاشا کی مصری بغاوت اس قومی شعور کا نقطۂ عروج تھی جو افغانی کا بیدار کیا ہوا تھا بلکہ مہدی سوڈانی کی تحریک جہاد بھی بڑی حد تک افغانی کے افکار و اثرات کا نتیجہ تھی۔

افغانی کی مصر سے بے دخلی عالم اسلام کے لیے ایک عظیم تر سیاسی مصلح کی صورت میں ظاہر ہوئی جس کے نتیجہ میں مغربی طاقتوں کو اور بھی زیادہ بڑے خطرے یا خطرناک دشمن سے واسطہ پڑ گیا ہندوستان میں طویل نظر بندی کے بعد جو تقریباً چار سال تک باقی رہی جمال الدین افغانی نے آخر کار یورپ کا رخ کیا جہاں انھوں نے اپنا مستقر پیرس کو قرار دیا۔ اس کی وجہ فرانس سے کوئی لگاؤ نہ تھا بلکہ برطانیہ سے ان کی شدید نفرت تھی جو ان کے اندر شروع سے پائی جاتی تھی یہاں پہونچ کر جلد ہی انھوں نے اپنے خاص مصری شاگرد شیخ محمد عبدہٗ کو بھی بلوالیا جو اعرابی پاشا کی بغاوت میں شرکت کے الزام کے تحت بیروت میں ملک بدر تھے۔ یہاں استاد اور شاگرد کی مشترکہ کاوشوں کا نتیجہ "العروۃ الوثقیٰ" کی صورت میں ظاہر ہوا جو ۱۸۸۴ء میں شائع ہونا شروع ہوا مگر ایک سال سے بھی کم کی مدت میں حکومت کی طرف سے بند کر دیا گیا جس کی وجہ مالی دشواریوں کے بجائے سیاسی دباؤ تھا۔[۱۰] اس پندرہ روزہ جریدہ کے صفحات میں اسلامی دنیا کی وسیع المعنیٰ تنقید تھی۔ مسلم معاشرتوں اور حکومتوں کے بحرانی احوال، خود غرضانہ سیاسی سازشیں، اوہام پرستانہ ذہن، مذہبی زندگی کا جمود، مسلم معاشرے کی پس ماندگی اور شکستہ ہمتی اس جریدہ کے موضوعات تھے۔ "العروۃ الوثقیٰ" کی اس تنقید کا ماحصل یہ تھا کہ مسلم معاشرہ کا جمود اور جہالت خود عاید کردہ ہے نہ کہ کسی وقت یا مجبوری کی پیداوار۔ دوسرے یہ کہ یورپ کی طاقتیں اپنے ترقی یافتہ ہتھیاروں، طریقۂ جنگ اور تنظیم کی وجہ سے مسلم ملکوں کی زبوں حالی اور افتراق سے فائدہ اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے یہاں کی دولت سمیٹ رہی ہیں۔[۱۱]

جمال الدین افغانی نے اپنے مسلم معاصرین میں شاید اس حقیقت کو سب سے زیادہ

وضاحت کے ساتھ محسوس کیا تھا کہ مغربی یوروپ کی فوجی برتری اور سیاسی غلبہ اس کے ترقی یافتہ ہتھیاروں یا طریقۂ جنگ کی وجہ سے نہیں ہے جو محض خارجی علامت کا درجہ رکھتی ہیں بلکہ یہ برتری درحقیقت ان علمی و معاشرتی قوتوں کا مظہر ہے جنھوں نے مغربی زندگی کے ہر شعبہ میں ہمہ گیر ارتقا کا دروازہ کھول رکھا ہے اور اس ہمہ گیر مادی ترقی کا ایک مظہر سیاسی برتری اور غلبہ بھی ہے۔ یہ وہی زیر سطح معاشرتی قوت تھی جو کبھی اسلامی تاریخ کی دماغی اور سیاسی ترقی میں بھی کارفرما رہ چکی تھی۔ اپنے زوال کے دور میں یہی قوت جو علم کی انتھک جستجو نیز بے خوف حوصلہ مندیوں اور کمال ذات کی تلاش کی صورت میں ابھری تھی رفتہ رفتہ تقلید محض کا شکار ہو کر کمزور سے کمزور تر ہو گئی۔ یہاں تک کہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد اتنے بلند اور مقدس سمجھے جانے لگے کہ ان تک پہونچنا دسترس سے باہر سمجھا جانے لگا اور ہر کمال کے لیے اگلوں کے کارناموں کو آخری سرحد سمجھ لیا گیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ یہ جمود اور بھی گہرا ہو گیا اور مسلم زندگی کے ہر شعبہ میں نظر آنے لگا۔ اس کا ایک قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ تقلید اکابر علٰحدگی پسندانہ رجحانات کی حامل بن گئی اور علماء اور علمی دنیا کے رشتے بے ربط ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ایک ملک بلکہ ایک شہر کے علماء بھی دوسرے مقامات کے علماء سے کوئی رشتہ نہیں رکھتے تھے۔

مسلم حکمراں بھی اس عام قاعدے سے الگ نہیں تھے اور ان کا تعلق دوسرے حکمرانوں سے — اگر دوسرے حکمرانوں سے بالفرض ان کا کوئی تعلق رہ گیا تھا — تو عموماً صرف بے نیازی کا تعلق تھا یا دشمنی اور عناد کا تعلق تھا۔ اس کا ایک کھلا ثبوت یہ ہے کہ کسی مسلم حکمراں کا کوئی حوالہ یا سفارش کسی دوسرے مسلم حکمراں کی زمین پر قطعی ناقابل التفات ہے۔ اسی طرح ایک مسلم ملک کا ابتلاء دوسرے کے لیے ناقابل توجہ ہے۔[۱۹]

جمال الدین افغانی کا تاریخی شعور اور ان کے تبحر علمی کا روشن مظہر ان کا وہ علمی مناظرہ بھی ہے جو مشہور فرانسیسی مستشرق ارنسٹ رینان (*Earnest Renan*) کے ساتھ ہوا تھا۔ جس علمی وقار اور بصیرت کے ساتھ جمال الدین افغانی نے اسلامی تاریخ، تمدن اور خود اسلام کے خلاف رینان کے مناظرانہ نکتوں کی بے وزنی اور نقص کو نمایاں کیا تھا اس نے موخر الذکر کو بے اختیار یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ نظام عقائد کی قدر و قیمت بسا اوقات اس کے ماننے والوں کی قدر و قیمت کی روشنی میں نمایاں ہوتی ہے اور اس لحاظ سے جمال الدین افغانی اپنی آزادیٔ فکر اور بلندیٔ کردار کے لحاظ سے اسلام کی حقانیت کے لیے بہترین شہادت کا درجہ رکھتے ہیں۔

اسی وقت سے یہ فرانسیسی مستشرق افغانی کے گہرے مداحوں میں شامل ہوگیا۔ اس فہرست میں بلنٹ اور براؤن جیسے مغربی علماء اور مستشرق پہلے سے موجود تھے[۲۰]

جمال الدین افغانی کے اصلاحی فکر کی اساس بظاہر زیادہ تر ان نتائج پر قائم ہے جو انہوں نے مسلم اور غیر مسلم اقوام کی نسبتاً جدید تاریخ سے اخذ کیے تھے۔ ان نتائج کے پس منظر میں مسلم حکمرانوں کی وہ ناقابل جواز اور خود پسندانہ پالیسیاں تھیں جنھوں نے مسلمانوں کو اس تباہی کے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا نیز وہ خود غرضانہ اور انفرادیت پسندانہ رجحانات تھے جو مسلمانوں کی علمی اور اخلاقی تباہ حالی سے دوچند ہو کر ابھر رہے تھے۔ افغانی کے نزدیک سیاسی بصیرت اور وسیع النظری کی یہی وہ کمی تھی جس نے مشترک اسلامی اساس کے باوجود پوری مسلم دنیا کو مغربی استبداد اور استعمار کے لیے ایک آسان شکار بنا دیا تھا۔ چنانچہ پوری مسلم سوسائٹی جو مسلمانوں سے بھی زیادہ خود اسلام کی بدترین نمائندہ بن چکی تھی۔ اب تباہی کے اس آخری دہانے کے قریب پہونچ چکی تھی جہاں قوموں کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔

اپنی مخصوص منطقی اور فکری بحث میں افغانی جن اسباب کو مسلمانوں کے معاملات کی افسوسناک اور قابل رحم صورت حال کا ذمہ دار سمجھتے ہیں ان میں سب سے اہم جرأت و شجاعت کا فقدان ہے۔ معاملات خواہ اخلاقی ہوں، علمی ہوں یا مادی ان کے نزدیک پورا مسلم معاشرہ اور اس کا ہر فرد ایک نفسیاتی خوف کا شکار ہے[۲۱] جس نے اس کی تمام توانائی اور حوصلے نچوڑ لیے ہیں۔ ترقی چاہے مادی ہو یا کسی اور طرح کی اس میں خرچ ہونے والی توانائی یا حوصلے ہر جگہ ایک ہوتے ہیں۔ جرأت و شجاعت کا یہی فقدان اور عدم تحفظ کا یہی احساس ہے جس نے گذشتہ چند صدیوں میں مسلم افواج اور حکمرانوں کو شکست اور ذلت کے تسلیم کرنے پر آمادہ کر دیا۔ یہی وہ احساس ہے جس نے مسلم روحانیت پسندوں یا مادی زندگی کو پسند کرنے والوں کو دنیاوی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہی وہ کمزوری ہے جس میں علماء کو اکثر ظالم حکمرانوں کے سامنے سچائی کے اظہار سے روکا اور فرد کو موقعہ پرست، خود غرض اور ہوا و ہوس کا بندہ بنا دیا۔[۲۲]

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم قوم تباہ حال اور دنیا میں ذلیل ہو کر رہ گئی ہے اور یہ خستہ حالی دن بدن رو بہ ترقی ہے۔ اس کے بعد جمال الدین افغانی اس نتیجہ تک پہونچتے ہیں کہ مسلم دنیا کے ان انفرادیت پسند رجحانات کے نتیجہ میں مشترک اسلامی مقاصد اور اجتماعی

شعور کا مکمل فقدان ہے اسی نے مغربی طاقتوں کی مداخلت اور مشرق اسلامی پر اس کے غلبہ کا راستہ ہموار کر دیا ہے[۴۳]

مسلم معاشرے کے اس نفسیاتی خوف کے گہرے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس خوف کا آخری منبع دراصل موت کا خوف ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے میدانِ جہاد اور رزم گاہِ شہادت سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں سخت ترین الفاظ میں کلام کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انسان کی غفلت ہی کا ثمرہ ہے کہ قدرت نے شجاعت و جرأت کا جو عطیہ انسان کو اپنی حفاظت اور بقائے ذات کے لیے عطا فرمایا ہے اسی کو وہ فنا اور ہلاکت کا ذریعہ سمجھنے لگے[۴۴]

حواشی

۱۔ ایم ایم شریف (مرتب) ہسٹری آف مسلم فلاسفی جلد دوم، مضمون: جمال الدین افغانی از عثمان امین (مطبوعہ ویزبیڈن ۱۹۶۶ء ص ۱۴۸۲-۱۴۸۳)

۲۔ افغانی کے ذاتی زندگی کے احوال اس لیے بھی مبہم نظر آتے ہیں کہ اس نے اپنے آفاقی فکر کے مقابلے میں ذاتی احوال کو ـــــ جیسا کہ اس کے تمام تذکروں سے واضح ہے ـــــ ہمیشہ نظر انداز کیا ہے۔ نتیجے میں افغانی کی زندگی کے کئی گوشے شکوک و شبہات کا نشانہ بن گئے مثلاً افغانی کے ہاں لسانی یا تہذیبی قوم پرستی نیز جغرافیائی وطن پرستی کی کوئی گنجائش نہیں تھی بلکہ ایک آفاقی نصب العین ـــــ قرآن و اسوۂ محمدی ـــــ کی صورت میں ـــــ ہر وقت اُس کے سامنے تھا۔ لہٰذا حسب و نسب۔ قومیت۔ وطنیت یا نسلیت و لسانیت کے نظریات اس کی نظر میں بے معنیٰ بلکہ اس مقصد اسلامی کے عین مخالف تھے ـــــ چنانچہ یہی وہ پہلو ہیں جو خود افغانی کی سوانح میں مبہم اور تشنہ قرار پائے یا مثلاً اسی مقصد جلیل کے لحاظ سے افغانی اتحادِ اسلامی کا علمبردار تھا بالخصوص مغرب کی استعماری طاقتوں کے مقابلے میں چنانچہ اس معنی میں اس نے ایران و عرب میں کوئی امتیاز نہیں برتا۔ اسی لیے کوتاہ بینوں نے اسے شیعہ ثابت کرنے کا کوئی موقع اور امکان نہ جانے دیا۔

۳۔ ایم ایم شریف (مرتب) ص ص ۱۴۸۲-۱۴۸۲۔ افغانی کے نام کے ساتھ مثلاً "پان اسلام ازم" کا سیاسی نظریہ اس طرح چسپاں ہو چکا ہے کہ عوام تو کجا اکثر آج کے علما بھی افغانی کو پان اسلام ازم کے ایک نقیب سے زیادہ نہیں جانتے ہیں" اس تحریک سے جو یورپ کے استعمار کے خلاف ایک دفاعی تحریک زیادہ تھی، افغانی کی اصلاحی تحریک کے بقیہ اور زیادہ اہم پہلو چھپ کر رہ گئے "

ذکی بدوی: دی ریفارمرز آف ایجپٹ (لندن ۱۹۷۸) ص ۲۷

۴ قاضی عبدالغفار: آثار جمال الدین افغانی۔ (انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۰ء) ص ۱۶-۱

۵ ایضاً ص ۶ احمد امین: زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث (القاہرہ ۱۹۴۸) ص ۶۳-۶۲

۷ ایضاً ص ۶۲-۶۳ ۸ ایضاً ۹ ایضاً ص ۷۶-۷۵

۱۰ ایضاً ص ۱۰۸ ۱۱ افغانی کے وسیع اصلاحی فکر میں جدید دنیا کے مسائل کا ادراک بہت واضح نظر آتا ہے "بعد کے وقوعات و احوال میں سے اکثر کا عکس افغانی کی شخصیت یا طریقۂ حیات میں جھلکتا ہے: بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بیسویں صدی کے اسلام میں شاید ہی کوئی پہلو ایسا ہو گا جس کا نقطۂ آغاز افغانی کے ہاں نہ نکلتا ہو" : ذکی بدوی (مذکورہ بالا) بحوالہ ڈبلیوسی اسمتھ، ص ۴۳

۱۲ احمد امین: زعماء الاصلاح ص ۶۹،۷۰ ۱۳ ایضاً

۱۴ ایک موقع پر افغانی نے کہا تھا کہ "میں یہ نہیں کہتا کہ تمام امت کا حکمران کوئی شخص واحد ہو، ایسا ہونا بظاہر دشوار بھی ہے تاہم میں یہ امید ضرور رکھتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کے درمیان آئینی قوت قرآن کریم کو حاصل ہو اور اُن کے اتحاد کی بنیاد دین اسلام ہو۔ نیز ہر تاجدار اپنی قوت بھر دوسرے اسلامی ملکوں کا محافظ ہو اس لیے کہ اس کی حیات اور بقاء بھی اسی پر موقوف ہے"۔ دیکھئے احمد امین ص ۸۴

۱۵ احمد امین: زعماء الاصلاح : ص ۷۶-۷۷ ۱۶ ایضاً

۱۷ ایضاً، ص ۸۵ ۱۸ ایضاً ص ۸۵-۸۲ ۱۹ ایضاً

۲۰ ایضاً ص ۹۳-۸۶ ، آثار جمال الدین افغانی : ص ۹۰-۲۸۹

۲۱ قاضی عبدالغفار، آثار جمال الدین افغانی ص ۹۰-۳۸۹ ء

۲۲ احمد امین۔ ص ۹۳-۸۶ ۲۳ ایضاً ۲۴ آثار جمال الدین افغانی ص ۹۰-۳۴۸

ضروری اعلان

جیسا کہ اس سے پہلے اعلان کیا جا چکا ہے کہ سامان طباعت کی گرانی کی وجہ سے تحقیقات اسلامی کے زر تعاون میں اضافہ ناگزیر ہو گیا ہے۔ اس شمارہ سے زر تعاون ۳۵ روپے ہو گا اور ایک شمارہ کی قیمت ۱۰ روپے ہو گی۔ لائبریری ایڈیشن کی قیمت سالانہ ۷۰ روپے اور فی شمارہ ۲۰ روپے ہو گی۔ امید ہے قیمت میں یہ معمولی سا اضافہ تحقیقات اسلامی کے قدرداں خوشی سے قبول فرمائیں گے۔

منیجر تحقیقات اسلامی۔ علی گڑھ